محمد اسحاق بھٹی

فتاویٰ عالم گیری

(۵)

قاضی محمد حسین جون پوری

قاضی محمد حسین جون پور کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار اس دور کے بہت بڑے علماء و فقہا کے زمرہ میں ہوتا تھا۔ فقہ اور اصول میں انھیں خصوصیت سے بہرۂ وافر حاصل تھا۔ شاہ جہان کے زمانہ میں جون پور کے عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے۔ اورنگ زیب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے اوائل عہدِ حکومت میں انھیں الہ آباد منتقل کر دیا اور وہاں کی مسندِ قضا ان کے سپرد کی گئی۔ بعد ازاں اُن کے منصب میں اضافہ کر کے انھیں فوج کے محکمۂ احتساب پر متعین کیا گیا۔ یہ ان خوش نصیب علما کی جماعت میں سے ہیں جنھوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں اپنے علم و تحقیق کے جوہر دکھائے[۱]۔

فرحۃ الناظرین کے مصنف نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے۔

"از علم و ہنر بہرۂ وافر داشت[۲]۔"

تذکرہ علمائے ہند میں ان کے تعارف و تذکرہ کے ضمن میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔

"قاضی محمد حسین جون پوری از علم و فضل نصیبے وافر داشت ۔ در عہد شاہ جہان قاضی جون پور بود و در اوائل عہد عالمگیر بقضائے الہ آباد ممتاز شدہ۔ در سن ہفتم جلوس عالمگیر بحضور آمدہ۔ باضافۂ منصب و احتساب لشکر سرفراز گردید و در تالیف فتاوی عالمگیری بسے سعی نمودہ[۳]۔"

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۴۔

[۲] فرحۃ الناظرین ص ۸۲۔

[۳] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۵۔

یعنی قاضی محمد حسین جون پوری علم و فضل میں حصۂ وافر رکھتے تھے۔ شاہ جہان کے عہدِ حکومت میں جون پور کے قاضی تھے۔ عالمگیر کے آغازِ عہدِ بادشاہت میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے ساتویں سالِ جلوس میں اس کے حضور تشریف لائے۔ اضافہ منصب سے سرفراز کیے گئے اور محتسبِ لشکر مقرر ہوئے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں ان کی مساعی بہت زیادہ ہیں۔

مآثر عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ۱۰۸۰ھ میں ہوئی۔ کیونکہ جلوس عالمگیری کے تیرہویں سال یعنی ۱۰۸۰ھ کے واقعات کے ضمن میں بتایا گیا ہے۔

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد خاں پسر سید محمد قنوجی کو خدمتِ احتساب عنایت ہوئی۔ اہلِ دربار جو حضورِ شاہی میں ہاتھ سر پہ رکھ کر آداب کے لیے جھکتے تھے، ان کو حکم ہوا کہ مسنون طریقہ پر سلام کیا کریں[1]"

نزہۃ الخواطر میں ان کی وفات کے بارے میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

مات فی الثالث عشر من جلوس عالمگیر علی سریر الملک سنۃ ست وسبعین والف[2]

یعنی عالمگیر کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے تیرہویں سال ۱۰۷۶ھ کے قریب فوت ہوئے۔

یہ سالِ وفات صحیح نہیں کیونکہ عالمگیر کا تیرہواں سالِ جلوس ۱۰۷۶ھ نہیں، ۱۰۸۰ھ ہے۔ اس حساب سے ان کا سنِ وفات ۱۰۸۰ھ ہونا چاہیے۔

مفتی وجیہ الدین گوپاموی

مفتی وجیہ الدین بن عیسٰی بن آدم بن محمد صدیقی گوپاموی، شیخ جعفر بن نظام الدین عثمانی امیٹھوی کی اولاد سے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی ولادت اتوار کے روز ۲۔ رجب بوقتِ شب ۱۰۰۵ھ میں گوپامئو میں ہوئی۔ اپنے دادا شیخ جعفر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علما سے تعلیم حاصل کی اور علم و تصوف کی گود میں پرورش پائی۔ ان کے والد شیخ عیسٰی بہت بڑے عالم اور صاحبِ افتا بزرگ تھے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے وطن گوپامئو میں مسندِ افتا پر فائز ہوئے۔ "مراۃ جہاں نما" کے مطابق فتاوی عالمگیری

---

[1] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ۔ شائع کردہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی، ص ۱۱۲

[2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۴

کے مصنفین کی جماعت میں شریک تھے - انھوں نے فتاویٰ عالمگیری کے چوتھے حصے کی تکمیل کی اور یہ اہم خدمت انجام دینے کے لیے دس فقہا ان کے زیر نگرانی کام کرتے تھے -

مفتی وجیہ الدین رحمہ اللہ نے اشاعت علم کے لیے سلسلۂ درس شروع کر رکھا تھا جو ایک چشمۂ صافی کی حیثیت رکھتا تھا اور جس کا دائرہ اثر وافادہ بہت وسیع تھا - جن حضرات نے ان سے استفادہ علم کیا ان میں شیخ محمد آفاق لکھنوی، قاضی عصمت اللہ بن عبدالقادر عمری اور ان کے علاوہ بے شمار اہل علم شامل ہیں -

یہ تصنیفی میدان میں بھی خاص شہرت کے حامل ہیں - ان کی تصانیف میں سے حصن حصین کی شرح، خیالی اور مطول پر تعلیقات اور تصوف سے متعلق رسائل حلقۂ علما میں بڑی مشہور چیزیں ہیں [۱]

کہتے ہیں ان کو علم معانی و بیان سے خصوصیت سے دلچسپی اور ذہنی لگاؤ تھا -

"خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود [۲]"

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے جو محنت کی اس کا اندازہ معارف (اعظم گڑھ) کے دسمبر ۱۹۴۶ء کے شمارہ کی اس عبارت سے بآسانی ہو سکتا ہے - مرقوم ہے:

"زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں لائبریری (پٹنہ) میں ۱۲۰۰ھ کا لکھا ہوا موجود ہے - اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے - کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس علمائے فتاوی عالمگیری -"

عبارت کا یہ آخری ٹکڑا واضح کرتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں مفتی وجیہ الدین گوپاموی کا بہت بڑا حصہ تھا اور وہ اس میں کوئی ممتاز حیثیت رکھتے تھے اگرچہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو -

یہ خاندانی طور پر صاحب افتا تھے - ان کے والد شیخ عیسیٰ بھی مفتی تھے جو اپنے والد مفتی آدم کی وفات کے بعد مسند افتا پر فائز ہوئے تھے [۳]

مفتی وجیہ الدین گوپاموی کے دو بھائی اور تھے - ان دونوں بھائیوں کے نام نہیں معلوم ہو سکے - وہ بھی

---

[۱] نزہتہ الخواطر ج ۵ - ص ۴۳۰ / ۴۳۱

[۲] معارف اعظم گڑھ (دسمبر ۱۹۴۶ء) - بحوالہ فرحتہ الناظرین ص ۸۵

[۳] نزہتہ الخواطر ج ۵ - ص ۲۹۹ -

عالم تھے لیکن سب سے مشہور عالم اور مرجع خلائق یہی تھے [1]

ان کی وفات ۵ رجمادی الاخری ۱۰۸۳ھ کو دہلی میں ہوئی اور جسد مبارک دہلی سے ان کے وطن گوپامئو لے جایا گیا اور وہیں دفن کیے گئے [2]

سید محمد بن محمد قنوجی

شیخ عالم کبیر محمد بن محمد بن محمد گدائی بن سید ملک بن عماد الدین بن حسین بن علاء الدین علی بن محمد بن ضیاء الدین الحسینی الحلی دہلوی ثم قنوجی ـ مشہور علما میں سے تھے۔ ولادت و تربیت قنوج میں ہوئی۔ بڑے ہوئے تو حصول علم کے لیے رخت سفر باندھا اور قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر الہ آباد گئے اور شیخ محب اللہ الہ آبادی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ ان سے علم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آگئے اور گھر میں گوشہ نشین ہوگئے اور عبادت و افادہ کے لیے اپنے آپ کو اس طرح وقف کر دیا کہ دنیوی معاملات کے لیے کبھی گھر کی چار دیواری سے باہر قدم نہ نکالتے تھے۔ اس زمانے میں تخت ہند پر مغل حکمران شاہ جہان متمکن تھا۔ اس نے اپنے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بتیسویں ۳۲ سال انھیں اپنے ہاں بلایا اور پھر اس رفیع المرتبت عالم کو زندگی کے آخری سانس تک اپنے ساتھ رکھا اور کسی وقت بھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیا۔ شاہ جہان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اورنگ زیب عالمگیر کی مصاحبت میں چلے گئے۔ عالمگیر ان سے ہفتے میں تین روز احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ عالمگیری سے متعلق مذاکرہ کرتا اور ان کے علم و فضل سے فیض یاب ہوتا [3]

خوافی خاں ماثر الامراء میں کہتا ہے۔ شاہ جہان نے ان کو اکبر آباد تشریف لانے کی دعوت دی۔ یہ وہاں گئے اور اس کے بادشاہت سے معزول ہونے کے بعد اس کی موت تک اسی کے پاس رہے۔ پھر عالمگیر نے ان کو اپنے خاص مصاحبوں اور ندیموں میں شامل کر لیا۔ عالمگیر ان سے بہت تکریم سے پیش آتا اور ہفتے میں تین دن فتاویٰ عالمگیری، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت اور حدیث و فقہ اور سلوک و تصوف کی دیگر کتابوں کے بارے میں مذاکرہ کرتا اور مختلف مسائل سے متعلق باقاعدہ بحث میں حصہ لیتا۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ - ص ۲۹۹ [2] نزہۃ الخواطر ج ۵ - ص ۴۲۱

[3] عمل صالح ج - ص - نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۵۳

عالم گیر کے دل میں ان کا اس درجہ احترام تھا اور وہ ان سے اتنا فیض حاصل کرتا کہ انھیں "استاذ" کے لفظ سے پکارتا اور کہا کرتا کہ "یہ میرے بھی استاذ ہیں اور میرے والد کے بھی استاذ ہیں"۔

ان میں ایک بہت بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ باوجود ہندوستان کے دو عظیم بادشاہوں سے اس درجہ قریب ہونے کے امارت و منصب کے کبھی خواہاں نہیں ہوئے، اور ہمیشہ علما کی خاص نوع کی وضع قطع اور ہیئت و شکل کو اپنائے رکھا اور کسی لمحہ بھی اس دائرہ خاص سے باہر نہیں نکلے۔ حالانکہ یہ اپنے شہر میں صاحبِ جائداد، معقول مالی حیثیت رکھنے والے اور کئی گاؤں کے مالک تھے[۱]۔

نواب سید صدیق حسن خاں نے بھی اپنی معروف تصنیف ابجد العلوم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

السید محمد قنوجی ۔ هو من سادات رسول دار، کان استاذ عالمگیر اورنگ زیب ۔ و من مآثره الباقية عمارة بيت المسافرين الذی لم يوجد مثله فی هذه الديار وله بستان فيه مقبرة عظيمة فيها قبره کان له اليد الطولى فی العلوم الرياضية والعربية ۔ الف حاشية على المطول وکان معظما ذا جاه و ثروة ودولة عظمى جامعا بين رياسة العلم والحکومة والشهامة[۲] له اعقاب فی تلک البلدة لکن کلهم جهلاً متشيعون[۳]

[سید محمد قنوجی، سادات رسول دار سے تعلق رکھتے تھے[۴]۔ اورنگ زیب عالمگیر کے استاذ تھے۔ ان کی بہترین یادگاروں میں سے مسافر خانہ کی ایک عمارت ہے جس کی اس نواح میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کا ایک باغ ہے جس میں ایک بہت بڑا قبرستان ہے۔ اسی قبرستان میں ان کی قبر ہے۔ علوم ریاضیہ اور علوم عربیہ

---

[۱] مآثر الامراء ج۔ ص ۔ نزہۃ الخواطر ج ۶۔ ص ۲۵۳-۲۵۴۔

[۲] ابجد العلوم میں "والشمافۃ" لکھا ہے۔ غالباً یہ تصحیف ہے۔ اصل لفظ "والشہامۃ" ہے۔ عبارت کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے۔ لہذا ہم نے ترجمہ میں اسی لفظ کو باقی رکھا ہے۔

[۳] ابجد العلوم ص ۹۳۴

[۴] تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر حرف المیم کے ضمن میں بھی کیا گیا ہے اور حرف سین کے ضمن میں بھی۔ حرف سین میں یہ الفاظ ہیں "سید محمد قنوجی از فرق سادات رسول دار استاد اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ ۔ ماہر علوم ریاضیہ و ادبیہ بود ۔ حاشیہ مطول از تصانیفہ اوست" ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۸۳

میں انھیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ انھوں نے (معانی و بیان کی مشہور کتاب) مطول پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ بہت بڑے صاحب عزت و جاہ، صاحب ثروت اور صاحب مال و دولت تھے۔ علم و حکومت اور شجاعت کی ریاست و دولت ان کی ذات میں سمٹ آئی تھی۔ اس شہر (قنوج) میں ان کے ورثا بھی ہیں۔ مگر وہ سب کے سب نااہل ہیں)

درحقیقت سید محمد قنوجی کی شہرت علمی سے متاثر ہو کر ہی مغل حکمران شاہ جہان نے انھیں اپنے ہاں بلایا تھا۔ اس کی وفات تک یہ اس کے پاس رہے۔ شاہ جہان کی وفات اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ میں اس کے ایام نظر بندی میں ہوئی۔ اس وقت سید محمد قنوجی ان کے پاس موجود تھے۔ جلوس عالمگیری کے آٹھویں سال ۱۰۷۵ھ کے واقعات کے ضمن میں شاہ جہان کے حادثۂ وفات کا ذکر کرتے ہوئے مآثر عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے:

"چھبیسویں رجب (۱۰۷۵ھ) شب دوشنبہ کو مرض کا شدید حملہ ہوا اور خاقان عادل نے روضۂ جنت کی راہ لی۔ اس حادثہ کے بعد نواب تقدس مآب بیگم صاحبہ کے حکم کے موافق رعد انداز خاں، خواجہ بہلول، سید محمد قنوجی اور قاضی قربان علی غسل خانہ میں حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت کی تجہیز و تکفین کے سامان سے فراغت حاصل کر کے نعش مبارک برج مثمن کے دروازے سے حصار کے باہر لائے۔ ہوش دار خاں صوبہ دار جنازہ کے ہمراہ ہوا اور تابوت کو دریائے جمنا کے اس پار لے جا کر مہد علیا ممتاز الزمان کے روضہ میں لے گئے۔ روضہ کے اندر جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور اس گنبد کے اندر نعش پیوند خاک کر دی گئی۔"[۱]

شاہ جہان کا زمانہ نظر بندی سید محمد قنوجی کی رفاقت میں گزرا۔ پھر اس کی وفات ان کے سامنے ہوئی۔ تجہیز و تکفین اور جنازہ کے انتظامات وغیرہ میں شامل رہے۔

عالمگیر نامہ میں سید محمد قنوجی کی انتہائی تعریف کی گئی ہے اور ان کے فضل و تقویٰ کا بہترین الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے۔ شاہجہان کی وفات کے سلسلے میں مرقوم ہے۔

"بالجملہ بعد از سنوح این واقعۂ ملامت اثر، بموجب اشارۂ نواب تقدس خورشید احتجاب ملکۂ جہان بیگم صاحب رعد انداز خاں قلعہ دار و خواجہ بہلول بدرون غسل خانہ حاضر آمدند و کہر کئی دروازہائے قلعہ کشودہ، با حضار سید محمد قنوجی کہ فضل و تقویٰ با شرف فقر و سیادت فراہم دارد و در ایام انزوائے اعلیٰ حضرت خلد آرام گاہ پیوستہ سعادت اندوز خدمت آں حضرت بود و قاضی قربان کہ شغل قضائے مستقر الخلافہ باو تعلق داشت کس فرستادند کہ آمدہ با مر

تجہیز و تکفین پرداز ند[1]۔۔۔۔"

پورا واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے۔

"۔۔۔۔ و سید محمد و قاضی قربان و سائر صلحا و اتقیا بر جنازہ آں محفوف انوار مغفرت نماز گزارند و نعش مطہر را بدرون گنبد بردہ بجوار رحمت ایزدی سپردند[2]"

شاہ جہاں کی وفات اور تدفین کے بعد صدقات و خیرات اور ختم قرآن وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی سید محمد قنوجی موجود تھے۔

"۔۔۔۔ و بر حسب امر اعلیٰ وظائف و خیرات و مبرات و ختمات قرآن بتقدیم رسانیدند و مکرر مجلس مولود باَئینی کہ برلئے سلاطین نامدار و خواتین عالی مقدار درخور و سزاوار باشد منعقد ساختہ بانفاق اہل استحقاق و اطعام صلحا و علما روح مقدس آں حضرت را سرور و راحت بخشیدند و بسید محمد و قاضی محمد قربان و زمرۂ مشائخ و ارباب فضل و اصحاب تقویٰ اکرامات سنیہ بجائے آوردند[3]"

شاہ جہاں کی وفات کے بعد ان کی خدمات اورنگ زیب عالمگیر نے حاصل کر لیں۔ وہ ان کا بڑا قدر دان تھا۔ اس نے مختلف مواقع پر ان کو انعام و اکرام اور خلعت سے نوازا۔ ایک مرتبہ انھیں ایک خدمت کے صلے میں دو ہزار روپے عطا کیے۔

"۔۔۔ و سید محمد قنوجی بانعام دو ہزار روپیہ سرفرازی یافتند۔۔۔۔۔۔[4]"

ایک مرتبہ ایک ہزار روپیہ انعام دیا۔

"و سید محمد قنوجی و میر ابراہیم ولد میر نعمان مرحوم و شیخ قطب و نعمت خاں ہر یک بانعام یک ہزار روپیہ کامیاب نوازش گشت[5]"

تقسیم انعام و خلعت کے سلسلے میں ایک مرتبہ پھر ایک ہزار روپیہ عطا کیا۔

---

[1] عالمگیر نامہ (فارسی) - ص ۹۳۲، ۹۳۳

[2] ایضاً ص ۹۳۴

[3] ایضاً ص ۹۳۵

[4] ایضاً ص ۳۴۷

[5] ایضاً ص ۳۹۷

"وسیّد محمد قنوجی و ملا عوض وجیہ و میر سیدی شاہر کدام بانعام یک ہزار روپیہ مباہی گردید[۱]"

ایک دفعہ عالم گیر نے انھیں چار ہزار روپیہ بطور انعام عطا کیا۔ "وسیّد محمد قنوجی بانعام چار ہزار روپیہ کامیاب عنایت پادشاہانہ گردیدند[۲]"

عالمگیر بعض نہایت اہم مواقع پر انھیں اپنے ساتھ رکھتا اور ان پر بہت اعتماد کا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے گیارہویں سالِ جلوس (۱۰۷۸ھ) میں رجب کی بیس تاریخ کو اس کے لڑکے شاہزادہ محمد اعظم کی شادی کی رسوم کا آغاز ہوا اور ۱۰ شعبان کو نکاح کی تقریب منعقد ہوئی تو انھیں وکیلِ نکاح مقرر کیا گیا۔ مآثر عالمگیری میں ہے:

"شاہزادہ محمد اعظم پانچ گھڑی رات گزرنے کے بعد بے حد شان و شوکت کے ساتھ اپنی حویلی سے قبلۂ عالم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ جہاں پناہ مسجد میں تشریف لائے اور قاضی عبدالوہاب نے میر سید محمد قنوجی کی وکالت و ملا عوض وجیہ و شیخ سیف اللہ سرہندی کی شہادت میں خطبہ نکاح پڑھا اور چھ لاکھ روپیہ دین مہر قرار پایا[۳]۔"

جلوس عالمگیری کے سولہویں سال (۱۰۸۳ھ) میں شاہزادہ مراد بخش کی دختر دوست دار بانو بیگم سے شاہزادہ محمد سلطان کا نکاح ہوا تو عالمگیر کی طرف سے سید محمد قنوجی اس کے گواہ مقرر کیے گئے۔

"جہان پناہ (اورنگ زیب عالمگیر) نے محل خواب گاہ میں اپنے دست مبارک سے شاہزادہ کے سر پر مروارید کا سہرا باندھا اور فرزند کا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ قاضی القضاۃ قاضی عبدالوہاب نے محمد یعقوب کی وکالت و ملا عوض وجیہ و میر سید محمد قنوجی کی شہادت میں خطبہ نکاح پڑھا اور دو لاکھ روپیہ دین مہر قرار پایا۔ شجاعت خاں، شیخ نظام، دریا خاں، بختاور خاں و خدمت گار خاں اس مجلس عقد میں حاضر تھے[۴]۔"

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے ان کا ذکر بڑے اچھے انداز سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

میر سید محمد قنوجی ہموارہ بدرس علوم دینی و نشر معارف یقینی اشتغال داشت۔ شاہجہان بادشاہ

---

۱ عالمگیر نامہ (فارسی)۔ ص ۴۲۷-۴۲۸ ۲ ایضاً۔ ص ۱۰۶۲

۳ مآثر عالم گیری۔ اردو ترجمہ۔ ص ۹۴

۴ ایضاً۔ ص ۱۳۸۔

درآخرایام سلطنت بخواہش واعزاز طلبیدہ، بقربت خویش اختصاص داد - بعدش عالمگیر بکمال نیاز از اکبرآباد طلبیدہ، بشرفِ تخصیص اعزاز مختص فرمود - مصنفاتِ حجۃ الاسلام غزالی خصوص احیاء العلوم پیش دسے دیدہ - درہفتہ سہ روز بمذاکرہ علوم درخدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی و در تالیف فتاوٰی عالمگیری مساعی جمیلہ بکار برد۔[1]

امیر سید محمد قنوجی ہمیشہ درسِ علوم دینی اور اشاعتِ معارفِ یقینی میں مشغول رہے - شاہ جہان بادشاہ نے ان کو اپنے آخری زمانہ حکومت میں انتہائی خواہش و اکرام کے ساتھ اپنے پاس طلب فرمایا اور اپنی قربت سے سرفراز کیا - اس کی وفات کے بعد عالم گیر نے بڑے ہی عجز و نیازمندی سے اکبرآباد (آگرہ) سے اپنے پاس بلایا اور خصوصی اعزاز سے مختص کیا - حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصنیفات بالخصوص احیاء العلوم ان کے پیش نظر رہتی - ہفتہ میں تین روز مجلس شاہی کے مذاکرہ علوم میں سرگرم افادہ رہتے - فتاوٰی عالمگیری کی تالیف میں بڑی مساعی جمیلہ فرمائیں)

بہر کیف ان کی زندگی کے مختلف واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے دور کے عظیم انسان تھے - بہت بڑے عالم و محقق تھے اور اصحاب علم اور اربابِ حکومت کے ہاں بڑی عزت و تکریم کے حامل تھے -

ان کی وفات ۱۱۰۱ھ میں ہوئی۔[2]

اولاد

ان کی اولاد کے بارے میں جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے، سید محمد قنوجی کے تین بیٹے تھے - ایک کا نام سید احمد تھا، ایک کا سید شریف خاں اور ایک کا میر عبد الکریم - تینوں بڑے منتظم اور قابل تھے اور عالمگیر کے حلقہ ملازمین و منسلکین میں شامل -

ان کے حالات تفصیل سے تو نہیں مل سکے تاہم جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے کہ سید احمد کو قاضی محمد حسین محتسب (جو مرتبین فتاوٰی عالمگیری میں سے ہیں) کے انتقال کے بعد محتسب مقرر کیا گیا۔[3]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند - ص ۲۱۵

[2] نزہۃ الخواطر ج ۶ - ص ۲۵۴ (بحوالہ التبصرۃ الناظرین) نیز دیکھیے تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۲۲۸

[3] مآثر عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۱۱۲ -

سید شریف کے متعلق مآثر عالمگیری میں جلوس عالمگیری کے تیسویں سال (۱۰۹۷ھ) کے حالات کے ضمن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی انتظامی صلاحیتوں کے مالک اور لائق شخص تھے۔ اس سال کثرتِ باراں کی وجہ سے شدید قحط پڑا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اس سلسلے میں مآثر عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے۔

"اس زمانہ میں کثرتِ بارش کی وجہ سے زمین پر دریا بہنے لگے اور قحط نمودار ہوا۔ حوالی شہر سے غلہ کی رسد بند ہوئی اور رعایا میں ماتم پڑ گیا۔ لاکھوں بندگانِ خدا کی جانیں ضائع ہوئیں۔ مکانات، دریا اور جنگل مردہ اجسام سے پٹ گئے۔ لشکر گاہ کا یہ حال ہو گیا کہ شب کو دولت خانہ شاہی کے گرد مردہ اجسام کے انبار لگ جاتے تھے جن کو جاروب کش و خاکروب روزانہ گھسیٹ کر دریا میں ڈالتے تھے۔ صبح سے شام تک لاشوں کی بار برداری کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ زندہ اشخاص کو مردہ اجسام کے کھانے سے پرہیز نہ رہا۔ مُردوں کی لاش سے کوچے اور تمام راستے پٹے گئے تھے۔ بارش کے طویل سلسلہ نے گوشت و پوست کو گلا دیا تھا ورنہ مُردوں کی بد بو سے آب و ہوا خراب ہو کر بقیہ زندہ افراد کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتی۔

چند ماہ بعد بارش کا زور گھٹا اور دریا کی طغیانی کم ہوئی اور اطراف و جوانب سے غلہ پہنچنے لگا۔ سردار خاں کے بجائے سید شریف خاں پسر قدوۃ المشائخ پیر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی جو فضل و کمال و عقل و شعور میں مشہور و معروف تھے، کروڑہ گنج کی خدمت پر مامور ہوئے۔ بادشاہ رعایا پرور کے حُسنِ نیت سے گرانی دفع ہوئی اور ملک میں غلہ ارزاں ہو گیا۔"[۱]

عالمگیر نے سید شریف کو امجد خان کا لقب عطا کیا تھا۔ نزہۃ الخواطر میں ہے:

سید الشریف محمد امجد بن محمد بن محمد الحسینی قنوجی نواب امجد خاں۔ سید محمد قنوجی کے بیٹے تھے۔ ان کا شمار اس عصر کے نامور علما کے زمرہ میں ہوتا تھا۔ علوم و فنون اور تصوف و طریقت اپنے باپ سید محمد قنوجی سے حاصل کیے اور ایک عرصہ تک ان کے ساتھ منسلک رہے۔ پھر اورنگ زیب عالمگیر کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ اس نے ان کو قاضی محمد حسین جون پوری کی وفات کے بعد ۱۰۷۶ھ میں محکمۂ احتساب

---

[۱] مآثر عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۲۹۲، ۲۹۳

پر فائز کر دیا اور امجد خان کا لقب عطا کیا۔ طویل مدت تک اس عہدہ پر متعین رہے۔ پھر صدارتِ ہند کے منصب پر فائز کر دیے گئے ہیں[1]

تذکرۂ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

"مولوی امجد علی قنوجی، از اکابرِ فضلا و اعظم علمائے قنوج شاگردِ رشید مولوی علی اصغر قنوجی کثیر الدرس والتالیف بود۔ حاشیہ صدرا، در علم حکمت از تو الیف شہرۂ اوست۔ تاریخِ وفاتش معلوم نہ شد"[2]

سید محمد قنوجیؒ کے تیسرے بیٹے سید میر عبدالکریم قنوجی تھے جو فقہ و اصول اور علومِ عربیہ کے مشہور علما میں سے تھے۔ یہ عالم گیر کی طرف سے برہان پور میں جزیہ وصول کرنے کے منصب پر متعین تھے۔ اس ضمن میں ان کی سرگرمیاں عالم گیر کے نزدیک اس درجہ قابلِ قدر تھیں کہ ان سے متأثر ہو کر اس نے دکن کے چار علاقوں سے وصولیِ جزیہ کی خدمت بھی ان کے سپرد کر دی۔ علم و فضل کی فراوانیوں کے علاوہ یہ سخاوت، عفت، اتقا، نیکی اور حُسنِ اخلاق کی نعمت سے بھی مالا مال تھے[3]

سیّد عبدالکریم میں ایک خوبی یہ تھی کہ درسیات میں بھی ماہر تھے اور سلسلۂ تدریس جاری رکھتے تھے۔ اس باب میں تذکرہ علمائے ہند کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"سید عبدالکریم قنوجی ابن سید محمد قنوجی در عہدِ عالم گیر مشغول بدرس متداولات بود"[4]

مآثرِ عالم گیری میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ جلوسِ عالم گیری کے ستائیسویں سال (۱۰۹۴ھ) کے واقعات میں بتایا گیا ہے:

"میر عبدالکریم کو امانت ہفت چوکی کی خدمت کے ساتھ جائے نماز خانہ کی داروغگی بھی عطا ہوئی"[5]

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۶، ص ۲۸۳، ۲۸۴۔

[2] تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۸۳۔

[3] نزہۃ الخواطر، ج ۶۔ ص ۱۷۱۔

[4] تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۰۔

[5] مآثرِ عالم گیری اردو ترجمہ، ص ۲۵۵۔

تلامذہ

سید محمد قنوجی کے تلامذہ کا بھی ایک حلقہ تھا، جن میں مشہور عالم شیخ علی اصغر قنوجی بھی شامل ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ نہایت نیک، متقی، اور پرہیزگار تھے۔ طریقت و تصوف میں شیخ پیر محمد بن اولیا چشتی لکھنوی سے منسلک تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد واپس قنوج تشریف لے آئے تھے اور امورِ دنیا سے الگ ہو کر سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اور تصوّف و سلوک وغیرہ علوم سے متعلق کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۰۵۱ھ میں قنوج میں پیدا ہوئے اور ۸۹ سال عمر پا کر ۱۵ شعبان ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ پورے ساٹھ سال مسندِ تدریس بچھائے رکھی اور بے شمار لوگوں نے ان سے علمی استفادہ کیا۔[1]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۱، ونزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۸۷

سرسیّد اور اصلاحِ معاشرہ

از: شاہد حسین رزاقی

اسلامی ہند کے عظیم مصلح سید احمد خاں کی اصلاحی کوششوں نے مسلم معاشرہ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ سرسید کے زمانے میں معاشرہ کی حالت کیا تھی۔ انھوں نے اپنی زوال پذیر قوم کی ہر جہتی اصلاح و ترقی کے لیے کیا کوششیں کیں۔ یہ کوششیں کس طرح ایک ملک گیر اصلاحی تحریک بن گئیں۔ مستقبل پر ان کا کیا اثر پڑا اور معاشرتی اصلاح کے لیے سرسید کا منصوبہ کہاں تک کامیاب ہوا۔

صفحات: ۲۵۵ قیمت: ۲۵:۴ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور